حقوقِ والدین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

حقوقِ والدین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

جملہ حقوق بحق تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حقوقِ والدین
خطاب	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تدوین	:	ضیاء نیّر
تخریج	:	محمد فاروق رانا
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل	:	جنوری 1993ء (5,000)
اِشاعتِ دوُم	:	مئی 1996ء (3,000)
اِشاعتِ سوُم	:	فروری 1998ء (1,100)
اِشاعتِ چہارُم	:	مئی 1999ء (1,100)
اِشاعتِ پنجم	:	جون 2000ء (1,100)
اِشاعتِ ششم	:	مئی 2001ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	مئی 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اکتوبر 2004ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	جولائی 2005ء (1,100)
اِشاعتِ دہم	:	مارچ 2008ء (1,100)

ISBN 969-32-0288-0

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۱۱۴۴۲-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرس

عنوانات	صفحہ
❁ پیش لفظ	۹
حقوقِ والدین (قرآنِ حکیم کی روشنی میں)	۱۱
نہیں ہے نا اُمید اِقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے	۱۳
والدین کے ساتھ احسان	۱۴
حقوقِ والدین کا اِجمالی بیان	۱۴
والدین کے سامنے اُف تک نہ کہو	۱۶
بوڑھے والدین کی خبر گیری...... ایک صبر آزما مرحلہ	۱۷
ایک سبق آموز حکایت	۱۹
دو قرآنی اَحکام	۲۰
والدین اور ہماری ذمہ داریاں	۲۰
ایک قابل غور مثال	۲۱
ایک انتہائی اہم فریضہ	۲۲

صفحہ	عنوانات
۲۴	والدین کے ساتھ حسنِ سلوک
۲۵	شریعتِ موسوی اور عیسوی میں والدین کے بارے میں حکم
۲۶	والدین سے بھلائی اور اِحسان کی حد
۲۸	فقہاء کرام کی تصریح
۲۹	والدین، اولاد کے لیے جنت بھی ہیں جہنم بھی
۳۰	اسلامی احکام باہم مربوط اور لازم وملزوم ہیں
۳۳	ایک معروف حکایت
۳۵	ایک سبق آموز فرمان
۳۷	والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید
۳۸	قبل اَز ولادت کرب واذیت کا دور
۳۹	بچے کی پرورش اور نگہداشت میں ماں کا مثالی جذباتی کردار
۴۱	ماں کی اہمیت کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد
۴۴	جس نے والدین کو پایا اور خدمت نہ کی
۴۵	غیر مسلم والدہ سے طرزِ عمل

عنوانات	صفحہ
حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز حکایت	۴۶
خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا بلند مقام	۴۸
حرفِ آخر	۵۰
ماۤخذ و مراجع	۵۱

پیش لفظ

دینِ اسلام حقوق و فرائض کی باہمی ادائیگی کا جتنا معتدل، خوبصورت اور معیاری عملی نمونہ پیش کرتا ہے دنیا کا کوئی قدیم و جدید مذہب اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکا۔ آج مغربی معاشرہ مادی ترقی کے باعث مہذب معاشرتی نظام کا دعویدار ہے لیکن انسانی رشتوں کے تقدس کے اسلامی معیار کی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ وہاں مادیت طلبی نے والدین کو بچوں کی تربیت سے بیگانہ کر دیا ہے، بچے والدین کی توجہ اور محبت سے محروم ہو کر care centres میں پرورش پا رہے ہیں اور بوڑھے اپنی نوجوان باروزگار اولاد کی توجہ سے محروم ہو کر بے شمار رفاہی اداروں میں زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بوڑھا ہو یا بچہ وہ خونی رشتوں کی محبت اور توجہ کا محتاج ہوتا ہے، اسے جو احترام و حفاظت کی فضاء گھر میں مل سکتی ہے باہر کسی بھی جگہ ممکن نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ والدین کا سایۂ عاطفت اللہ تعالیٰ کی ایسی گراں بہا نعمت ہے جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں۔ بچے کے لیے دنیا جہاں کے خزانے اور رہائش و زیبائش کے اعلیٰ انتظامات ایک طرف اور ماں کی مامتا اور شفقتِ پدری سے حاصل ہونے والی راحت و طمانیت ایک طرف۔ والدین کی شفقت و پرورش نہ ہو تو انسان صحرائے حیات میں نوخیز کونپل کی طرح حوادثاتِ زمانہ کی دست برد کا شکار ہو کر بکھر جائے۔

انسان چونکہ ربوبیت کاملہ کا مظہر ہے اس لیے اس کی تربیت و حفاظت دوسری مخلوق کی نسبت سے جہاں انتہائی اہم ہے وہاں نہایت حساس اور مشکل تخلیقی مرحلہ بھی یہی وجہ ہے کہ اس فریضے کی انجام دہی کے لیے قدرت نے بچے اور والدین کے درمیان لازوال محبت کا ایسا جذبہ رکھ دیا ہے جو انہیں کسی بھی قربانی سے گریزاں نہیں ہونے دیتا۔ نظامِ ربوبیت میں یہ تسلسل اور شرف و امتیاز ایک طرف انسانی عظمت کی دلیل ہے اور

دوسری طرف اسے خلافتِ ارضی کے منصبِ جلیلہ پر فائز رہنے کی استعداد فراہم کرتا ہے۔ اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ایک بچے کی تربیت گویا ایک جہاں کی تربیت ہے، ایک نسل اور عہد کی تعمیر ہے۔ یہ پہلو تو تھا والدین کی طرف سے بچے کی پرورش و تربیت کا، دوسری طرف اولاد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین کا حتی المقدور احترام کریں، ادب و تعظیم بجالائیں، ان کے ہر جائز حکم کی تعمیل کو دینی فریضہ سمجھ کر اور ضروریات زندگی کی فراہمی اسی جذبے کے ساتھ کریں جس جذبے سے وہ بچپن میں اس کی پرورش کرتے رہے ہیں۔

قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ میں اس فریضے کی باہمی ادائیگی سے متعلق بہت سے احکام مذکور ہیں۔ جن پر عمل کرکے اسلامی معاشرہ ہمیشہ ادب و احترام اور محبت و مروت جیسی مثالی صفات سے متصف رہا لیکن تہذیب جدید کے مادیت زدہ ماحول نے اکثر گھرانوں میں اس مقدس رشتے کا تقدس بھی ختم کر دیا ہے۔

زیر نظر کتابچہ جو چند خطباتِ جمعہ کا مرتبہ مجموعہ ہے، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ’’اسلام اور ہماری زندگی‘‘ کے عنوان کے تحت دراصل ایسے ہی معاشرتی نقائص کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمائے ہیں۔ اسلام میں تصور اعتدال و توازن کے نام سے دوسرا کتابچہ بھی انہی خطبات کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مجموعے ایک مستقل مضمون کی طرح ربط و تسلسل کے مطلوبہ معیار پر تو شاید پورے نہ اتریں لیکن مدعا و مقصود کے ابلاغ میں ان شاء اللہ اطمینان بخش کوشش ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پاکیزہ تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

ڈائریکٹر، فرید ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلام جس طرز زندگی کی تعلیم دیتا ہے وہ افراط و تفریط سے پاک متوازن اور متوسط طور طریقوں سے عبارت ہے۔ اسلامی زندگی تصنع، بناوٹ اور ثنویت سے ماورا، فطری، سادگی اور پاکیزگی و عفت کی آئینہ دار ہے۔ مسلمانی اس اَمر کی متقاضی ہے کہ مسجد سے باہر کی تمام تر زندگی بھی اُسی جذبے سے سرشار ہوجائے جو ہم مسجد کی چار دیواری کے اندر کچھ عرصہ کے لئے اپنے رگ و پے اور قلب و باطن میں اترتا ہوامحسوس کرتے ہیں۔ اگر بارگاہِ الوہیت سے ہمیں ایمان کی استقامت اور اس جذبے کی مداومت نصیب ہوجائے تو یہ سمجھ لیں کہ ہماری مسلمانی متحقق ہوگئی ورنہ یہ بات ذہن میں راسخ کرلیں کہ ہمارے دعوے چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہوں ہماری زندگی میں سوائے خودفریبی، منافقت اور دوغلے پن کے اور کچھ نہیں۔

حقوقِ والدین (قرآنِ حکیم کی روشنی میں)

زیر بحث موضوع اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے نہ صرف نسل انسانی بلکہ ہمارے گھر اور پورے معاشرے کا آغاز ہوتا ہے۔ ہماری مراد خاندان کے یونٹ کے تحفظ یعنی حقوقِ والدین سے ہے۔ والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں جا بجا ایسے مقامات ہیں جہاں عقیدۂ توحید، ایمانیات، اِطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ذکر کے فوراً بعد کسی اور موضوع کو درمیان میں لائے بغیر جس موضوع کو بیان کیا گیا وہ والدین کے حقوق سے متعلق ہے، جو عمیق نظر سے دیکھا جائے تو ہماری عملی، سماجی اور معاشرتی زندگی کا اوّلین عنوان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا تعلق انسان سے ہے اور انسانی زندگی کا آغاز ماں باپ سے ہوتا ہے۔ یعنی خاندانی زندگی کی عمارت عائلی نظام میں ماں باپ پر استوار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر زیرِنظر موضوع کو بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً۔ (۱)

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔‘‘

اسی طرح سورۃ الاسراء میں فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا. (۲)

’’اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ بینات کے ابتدائی کلمات میں اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت اور خالقیت کا ذکر کرنے کے بعد عملی زندگی کے حقوق و واجبات اور فرائض بیان کیے ہیں اور اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی اس قابل نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے اور معبود ٹھہرایا جائے۔ صرف اُسی کی ذات معبودِ برحق اور پرستش وعبادت

(۱) النساء، ۴: ۱

(۲) الاسراء، ۱۷: ۲۳

کے لائق ہے۔ یہ فیصلہ سنانے کے بعد پھر والدین کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کا سلوک کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو)۔ یہ طرزِ تخاطب حکمت اور مقصدیت سے خالی نہیں اس لئے کہ نوجوانوں میں ایسے بہت سے ہیں جو جوانی کے نشے اور ترنگ میں والدین سے بے توجہی اور بے التفاتی کا سلوک کرتے ہیں اور ان کی خدمت اور اطاعت کا حق بتمام وکمال ادا نہیں کرتے۔

نہیں ہے نا اُمید اِقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے

والدین کے بارے میں نوجوانوں کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کی بحسن وخوبی بجاآوری پر صحت مندانہ اور بالغ النظر معاشرتی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے حقوقِ والدین کا ذکر اللہ تعالیٰ کی توحید کے بیان کے بعد کیا ہے۔ نوجوان ہماری سوسائٹی کا انتہائی فعال اور تاثرات قبول کرنے والا طبقہ ہے۔ اِس دورِ زوال میں بھی ان کے اندر خرابیاں دور کرنے اور نیکیاں قبول کرنے کا جوہر پایا جاتا ہے۔ آج ہماری بات کا نوجوان طبقے پر اثر نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اپنے اندر خامی اور کجی ہے۔ ہمیں خود اپنے من میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے نوجوان ہماری باتوں پر کان نہیں دھرتے۔ ورنہ بقول اقبالؔ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

اِس لیے لمبی چوڑی نصیحتوں کی بجائے - جو بالعموم بے اثر ہوتی ہیں - ہمیں کردار وعمل کے اَخلاص سے نوجوانوں کو متاثر کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ اگر مُربّیانہ انداز سے نوجوانوں کے کردار وعمل کی اصلاح پر بھرپور توجہ دی جائے تو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ بقول حکیم الامت:

نہیں ہے نا امید اِقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

والدین کے ساتھ احسان

قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کے بعد والدین سے بھلائی کو احسان سے تعبیر کیا ہے۔ اَلَّا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اِیَّاهُ کہہ کر شرک کی نفی کر دی اور اگلی زندگی کے لیے جو حکم دیا وہ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا کا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ والدین سے نیکی کا حکم مطلقاً اور بلا قید ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ والدین نیک ہوں تو ان سے بھلائی کی جائے اور اگر بد ہوں تو ان سے بھلائی نہ کی جائے۔ ایسی کوئی شرط نہیں۔ والدین چاہے فاسق و فاجر اور گنہگار ہی کیوں نہ ہوں اولاد کے لئے ان کا درجہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نیک، متقی اور پرہیزگار والدین کا۔ گویا وہ اجر جو اولاد کو ولیہ ماں اور ولی باپ کی خدمت کر کے ملتا ہے وہی اجر مشرک و گنہگار والدین کی خدمت کر کے ملتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اجر نہ ان کی ولایت اور فضیلت کی وجہ سے ہے، اور نہ ہی ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ والدین کا ادب اور ان سے احسان کرتے وقت ان کی سیرت و کردار کو دیکھو بلکہ غیر مشروط طور پر والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کا حکم دیا۔

حقوقِ والدین کا اِجمالی بیان

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت و اطاعت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النساء میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاعۡبُدُوا اللهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا۔ (۱)

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔“

---

(۱) النساء، ۴: ۳۶

حکم ہوتا ہے کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت میں کبھی شرک اپنے قریب تک نہ پھٹکنے دو۔ پھر جب تم اس بات کو اپنا معمول بنا لو تو والدین کے ساتھ نیکی اور احسان کو اپنا شعارِ حیات بنا لو۔ توحید اور اطاعت و عبادتِ الٰہی کے تسلسل اور شرک کی نفی کا حکم جہاں ختم ہوتا ہے وہاں والدین کے حقوق کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو والدین کا کتنا پاس ہے کہ انسان کو اپنی بندگی کے بعد ان کی خاطر داری اور دل جوئی کی تاکید کی جا رہی ہے اور یہاں یہ قید اور قدغن بھی نہیں کہ والدین کمانے والے ہوں یا نہ کمانے والے ہوں، بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، متقی و پارسا ہوں یا بدکار و گنہگار۔ والدین کسی حال میں ہوں والدین ہونے کے ناتے ان کا مقام متعین کر دیا گیا ہے۔

حکمِ توحید اور نفیِ شرک کے ساتھ والدین سے احسان کرنے کا حکم اسی ترتیب کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں ان الفاظ کے ساتھ دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔‘‘

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ حکم اور اس کی یہی ترتیب حضرت آدم علیہ السلام کی امت سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی امت تک جاری و ساری رہی ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو یہی تلقین کی جاتی رہی کہ تمہاری جبین نیاز سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کے سامنے نہ جھکے اور اپنے والدین کے ساتھ احسان اور فروتنی سے پیش آؤ۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم تاکید کے ساتھ ہر دور میں ہر نبی کی امت کو دی گئی اور یہ حکم آج بھی ہمیشہ کی طرح امت مصطفوی ﷺ کے لیے مفروض

(۱) البقرۃ، ۲: ۸۳

الاطاعت ہے۔

والدین کے سامنے اُف تک نہ کہو

سورۃ الاسراء میں والدین سے نیکی اور بھلائی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا گیا:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًاo وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًاo(1)

’’اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ’’اُف‘‘ بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو o اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھاo‘‘

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اگر دونوں ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں اُف تک کا کلمہ بھی کہنے کی ممانعت ہے خواہ تمہیں ان کی کوئی بات پسند آئے یا نہ آئے اور خواہ تمہاری طبیعت کو وہ کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ خبردار! تمہاری زبان سے ان کے لیے اُف تک کا کلمہ نہ نکلے۔ اُف تک نہ کہنے کا معنی یہ ہے کہ تمہاری زبانیں تمہارے والدین کے بارے میں اس حد تک بند ہو جائیں کہ ان کی کسی بات پر خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہ ہونے پائے اور کبھی ایسا نہ ہو کہ تمہارا پیمانہ صبر ان کے معاملے میں اس حد تک لبریز ہو جائے کہ تم انہیں جھڑکنے لگو یا ان

(۱) الاسراء، ۱۷: ۲۳، ۲۴

کے ساتھ سختی، درشتی اور تلخی کے ساتھ پیش آؤ اور اس طرح ان کی دل شکنی ہو۔

یہاں اُف تک نہ کہنے کی معنویت وحکمت پر غور ضروری ہے کہ ایسا کیوں فرمایا گیا؟ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ جب آپ اُف کہتے ہیں تو یہ حالت بالعموم اس وقت پیش آتی ہے جب ماں باپ بڑھاپے کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔

یہ بڑھاپا بڑی ظالم چیز ہے جب قوائے بدنی مضمحل اور حواسِ خمسہ ماؤف ہونے لگتے ہیں تو بے بس اور بے چارگی کی یہ کیفیت نادیدنی ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر والدین عہدِ جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں داخل ہوتے ہیں تو وہی اولاد جس کو وہ بچپن اور لاشعوری کی عمر میں کھلاتے پلاتے رہے، اپنے خون پسینے کی کمائی جس کی نذر کرتے رہے، جس کی ذرہ بھر تکلیف انہیں گوارا نہ تھی، جس کے لیے اپنا سکھ چین سب کچھ قربان کیا، خود کو بھوکا رکھ کر اپنے منہ سے لقمے نکال نکال کر جس کے مُنہ میں دیے اور جس کو بِن مانگے ہر چیز مل جاتی تھی وہی اولاد جب جوان ہوتی ہے تو اپنے والدین کو مجبور و بے بس پاتی ہے اور اسے وہ زمانہ یاد نہیں ہوتا کہ یہی والدین تھے جو اس کے آگے پیچھے رہتے تھے۔ بیماری اور تکلیف کی حالت میں رات بھر جاگتے رہتے تھے اور اپنی بساط سے بڑھ کر انہیں ہر وہ چیز مہیا کرتے تھے جن کی ان کے بچوں کو ضرورت ہوتی تھی۔ وہی اولاد - اگر اس کی تربیت صحیح نہج پر نہ ہوئی ہو - بچپن کا زمانہ نکل جانے پر اپنے والدین کی نافرمان اور گستاخ ہو جاتی ہے۔ وہ اس دَور کو یکسر بھلا دیتی ہے جب اس کے والدین اس کے لیے ہلکان ہوتے تھے اور اس کے آرام و آسائش کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

بوڑھے والدین کی خبر گیری...... ایک صبر آزما مرحلہ

جب والدین جوان ہوتے ہیں تو نیک بخت اولاد کبھی ان کے سامنے سر اونچا کر کے نہیں چلتی اور اس کی نگاہیں فرط ادب سے جھکی رہتی ہیں۔ لیکن بسا اوقات وہی نیک بخت اولاد جس نے کبھی والدین کی جوانی میں ان کی نافرمانی نہ کی تھی۔ جب ماں باپ

بوڑھے ہو جاتے ہیں تو یہ آزمائش میں پڑ جاتی ہے۔ کہولت اور پیرانہ سالی میں چونکہ ہوش و حواس ویسے نہیں رہتے جیسا کہ جوانی کے عالم میں تھے، طبیعت بچپنے کی طرف پلٹنے لگتی ہے، بے خیالی میں بچوں جیسی حرکات سرزد ہونے لگتی ہیں، جب تک ہوش و حواس قائم تھے اور ان سے اولاد کو فائدہ پہنچتا تھا طوعاً و کرہاً اولاد ان کی خدمت بجا لاتی رہی لیکن جیسے ہی والدین کے بڑھاپے میں بچپنے کا عنصر در آیا اولاد رفتہ رفتہ ان کے معمول سے ہٹے (abnormal) رویوں سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگتی ہے۔ جوں جوں بڑھاپا آتا ہے طبیعت بچپنے کی طرف مائل ہونے لگتی ہے لیکن کسی پر یہ کیفیت بڑھاپے کے آغاز میں طاری ہو جاتی ہے اور کسی پر بہت بعد میں جا کر۔ یہ اللہ کا کام ہے مگر جلد یا بدیر کسی مرحلہ میں بڑھاپا بچپنا ضرور لاتا ہے۔

اس نفسیاتی کیفیت کی طرف قرآن حکیم انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ جب بڑھاپا حاوی ہونے لگے تو طبیعت قدرے وہمی اور ضدی پن کا شکار ہونے لگتی ہے۔ یادداشت پہلی سی نہیں رہتی کہ معاملہ فہمی، تحمل اور برداشت کا مادہ مفقود ہونے لگتا ہے۔ یہ احساس کمزور پڑ جاتا ہے کہ کس چیز میں فائدہ ہے اور کس میں نقصان۔ ہر بات پر بچوں کی طرح ضد کرنا عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ آپ انہیں کسی بات پر روکیں گے لیکن وہ سنی ان سنی کر دیں گے اور عمل اسی بات پر کریں گے جو ان کا دل چاہے گا۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں، بڑھاپے کا پورا عرصہ اسی کیفیت میں گزرتا ہے۔ ماں باپ چھوٹی چھوٹی بات پر ٹوکتے رہتے ہیں۔ جوان بیٹا اکتا جاتا ہے کہ یہ کیا ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتے ہیں، اپنے کام سے مطلب کیوں نہیں رکھتے، ان کی طبیعت ہر وقت وہی چیز کھانے کا تقاضا کرتی ہے جو نقصان دہ ہے۔ آپ بوڑھے ماں باپ سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ اپنی صحت کا خیال رکھیں، مگر وہ ہیں کہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بڑی آزمائش کا دور ہے ان کا بے جا اصرار نت نئے مسائل پیدا کرتا ہے۔ طبیعت میں ضد اور چڑچڑا پن نیک بخت اولاد کے لیے ایک مسلسل امتحان ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ کے قرآنی اِرشاد پر

کب اور کہاں تک عمل ہوتا ہے۔ بوڑھے ماں باپ کی عقل و خرد سے عاری باتیں برداشت کرنا اور زبان سے اُف تک نہ کہنا بڑا صبر آزما مرحلہ ہے۔

ایک سبق آموز حکایت

بچپن میں سنی ہوئی ایک حکایت کو موضوع کے حوالے سے یہاں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک شخص کی والدہ بوڑھی ہوئی اور بڑھاپے میں اس پر وہی کیفیت طاری ہوگئی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ ایک دن وہ شخص ماں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ بڑھیا کہنے لگی: ''بیٹا! یہ کس چیز کی آواز آ رہی ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''اماں جان! کسی چیز کی آواز نہیں آ رہی۔''

تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ پھر کہنے لگی: ''بیٹا! آواز آ رہی ہے۔ مجھے بتاؤ یہ کس چیز کی آواز ہے؟''

وہ شخص پھر کہنے لگا: ''اماں جان! یہ محض آپ کا وہم ہے یہاں کوئی آواز نہیں آ رہی۔''

بوڑھی ماں نے پھر زور دے کر کہا: ''میرے کانوں میں آواز سنائی دے رہی ہے، بتاؤ تو سہی یہ کس چیز کی آواز ہے؟''

اس نے کہا: ''یہ محض آپ کا مغالطہ ہے کسی چیز کی آواز نہیں آ رہی۔''

بڑھیا نے متعدد بار یہ بات دہرائی تو بیٹے سے نہ رہا گیا اور وہ آگ بگولا ہو کر کہنے لگا: ''آپ نے یہ آواز، آواز کی کیا رٹ لگا رکھی ہے! آپ ناحق ہمارا دماغ چاٹ رہی ہیں۔ آپ کا شاید دماغ خراب ہوگیا ہے۔ خدا کے لیے ہمارے صبر کا مزید امتحان نہ لیجیے اور یہ تکرار بند کر دیجیے۔''

ماں نے یہ بات سن کر بیٹے سے کہا کہ فلاں صندوق میں ایک کاپی پڑی ہوئی

ہے وہ ذرا لے آؤ۔ وہ شخص صندوق کھول کر کاپی لے آیا تو بڑھیا نے اسے بتایا کہ جب تم بچے تھے تو ایک دن تم نے ستر بار ایک بات پوچھی تھی جس کا جواب میں نے اُتنی ہی بار تمہیں چوم چوم کر دیا تھا۔ تو پوچھتا جاتا تھا اور میں پیشانی پر کوئی شکن لائے بغیر جواب دیتی جاتی تھی۔ لیکن اے بیٹے! تو اپنے اور میرے صبر کا موازنہ کر میں نے سات بار بھی نہ پوچھا تھا کہ تیرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور تو مجھ پر برسنے لگا۔

دو قرآنی اَحکام

یہی وہ کیفیت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ والدین سے حسن سلوک کرتے ہوئے اپنی زبان سے اُف بھی نہ کہہ اور کبھی سخت لہجے میں ایسی تلخ بات نہ کہہ جس سے ان کی دل شکنی ہو جائے۔ اللہ رب العزت نے خصوصیت کے ساتھ انسان کو یہ تربیت دی ہے کہ اپنے ماں باپ کا بڑھاپے میں خاص خیال رکھے اور خبردار! اس دور میں ان سے نیکی اور بھلائی کرنے میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ یہ بہت بڑی آزمائش اور صبر کا امتحان ہے۔

قرآن کریم میں والدین کے بارے میں دو حکم دیے گئے: ایک تو یہ کہ ان سے احسان اور نیکی کرنا تمہاری بڑی ذمہ داری ہے؛ دوسرا یہ کہ جب ان پر بڑھاپا غالب آجائے تو ان کا خاص خیال اور دل جوئی از بس ضروری ہے۔

والدین اور ہماری ذمہ داریاں

بدقسمتی سے آج معاشرے میں اسلامی اقدار تلپٹ ہو رہی ہیں جس کے نتیجے میں ہماری اخلاقی زندگی کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ مخلوط خاندانوں میں رشتوں کا تقدس بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ باپ جب تک کماتا ہے اولاد چار و ناچار والدین کی خدمت اپنا فرض سمجھتی ہے مگر جیسے ہی وہ ملازمت سے فراغت کے بعد ریٹائر ہو کر گھر آتا ہے یا اپنا کاروبار اپنی اولاد کو منتقل کر دیتا ہے تو اسے بیکار اور فالتو تصور کیا جانے لگتا ہے۔ جوان بیٹے

الا ماشاء اللہ بوڑھے باپ کو بات بات پر جھڑک دیتے ہیں اور اس کا وجود ان کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔ وہ ذرا سی بات کرتا ہے تو سخت اور کرخت لہجے میں کہا جاتا ہے کہ بوڑھا بہت شور کرتا ہے۔ اس کی جھک جھک، بک بک سے ہم عاجز آ گئے ہیں۔ شور تو وہ پہلے بھی کرتا تھا لیکن فرق یہ تھا کہ پہلے وہ رقم کما کر گھر میں لاتا تھا۔

یہ سب بیان کرنے کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ ہمارا رویہ ہمارے بزرگوں اور بالخصوص سن رسیدہ ماں باپ کے ساتھ محل نظر ہے۔ بہت سے گھروں میں الا ماشاء اللہ بوڑھے والدین کے ساتھ ان کی اولاد انتہائی ہتک آمیز طریقے سے پیش آتی ہے۔ اگر نیک بخت اولاد والدین کی جوانی میں ان کی اطاعت شعار ہے اور حسن سلوک سے پیش آتی ہے تو یہ ان کی خوش بختی ہے مگر ان کی نیک بختی کا اصل امتحان تو اس وقت شروع ہو گا جب والدین عالم شباب سے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھیں گے۔ پھر وہ نہ کمانے والے ہوں گے اور نہ ہی ان کے ہوش وحواس سلامت رہیں گے۔ ہر وقت کسی نہ کسی بیماری اور تکلیف کا سامنا ہو گا اور بعض اوقات نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ قضائے حاجت کے لئے بھی اولاد کے محتاج ہوں گے۔ ان کی آزمائش و امتحان کا دن تو اس وقت ہو گا جب وہ بوڑھی ماں - جس نے اولاد کو نو ماہ پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پھر اپنی جوانی اور صحت اسے پالنے پوسنے میں داؤ پر لگا دی - ان کے سہارے پر پڑی ہو گی اور چند قدم بھی ان کی مدد کے بغیر نہ چل سکے گی اور اپنی ہر ضرورت کے لیے ان کی طرف دیکھ رہی ہو گی۔

ایک قابل غور مثال

یہاں قارئین کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ مثال ہر گھر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب آپ چھوٹے بچے تھے تو اپنے والد یا والدہ سے - جب وہ کہیں باہر سے آتے تھے - اکثر یہ سوال کرتے تھے کہ اماں جان، ابا جان! آپ ہمارے لیے کیا لائے ہیں؟ آپ بالعموم ان سے باہر جاتے وقت فرمائشیں کیا کرتے تھے کہ ہمارے لیے کھلونا یا مٹھائی وغیرہ کا تحفہ لیتے آئیں۔ ان کے گھر آتے ہی آپ ان سے لپٹ جاتے اور اپنی

فرمائش کی چیزوں کا تقاضا کرتے تھے اور اگر وہ کسی وجہ سے آپ کی فرمائش نہ پوری کر سکتے تھے تو آپ ضد کرنے لگتے اور کچھ دیر کے لیے روٹھ جاتے۔ پھر وہ آپ کو منانے کے لئے کیا کیا جتن نہ کرتے تھے۔

وہ وقت یاد کیجیے اور یہ زمانہ جب انہیں گردشِ روزگار نے آپ کا محتاج اور دستِ نگر کر دیا۔ اب جب آپ باہر سے آتے ہیں تو بوڑھا باپ یا بوڑھی ماں آپ کی طرف سوالیہ نظروں سے تک رہے ہوتے ہیں کہ آپ ان کے لیے کیا لائے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ سب کے معاملات ایک جیسے ہوں۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ آپ کی مالی امداد کے مستحق نہیں ہوتے اور بڑھاپے میں بھی اللہ کے فضل وکرم سے ان کے پاس اتنے وسائل ہوتے ہیں کہ وہ ضرورت کی ہر چیز خود حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات دھیان میں رہے کہ بڑھاپے میں والدین کو صرف روپے پیسے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور ہماری بحیثیت اولاد صرف مالی معاونت کرنا ہی واحد ذمہ داری نہیں بلکہ روزمرہ معاملات میں ان کے آرام کا خیال رکھنا اور خبرگیری کرتے رہنا وغیرہ بہت سی ایسی ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنا ہمارے فرائض منصبی میں شامل ہے اور جن کی ادائیگی سے ہم ان کی دعائیں حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر بوڑھے ماں باپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت ہے تو اسے غنیمت جاننا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں ان کی خدمت بجا لانے کا موقع عطا کیا ہے۔ ماں باپ کا وجود کتنی بڑی نعمت ہے اس کی قدر وہی جانتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

ایک انتہائی اہم فریضہ

اولاد ہونے کے ناتے ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ **فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا** کے حکم الٰہی کو دل و جان سے بجا لاتے رہیں اور کبھی اپنی زبان سے ایسا

کلمہ نہ نکالیں جو والدین کی دل آزاری کا سبب بنے۔ یاد رہے کہ بڑھاپے کی حالت میں والدین کی طبیعت بچپنے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ بات بات پر بے جا ضد کرنے لگیں لیکن سعادت مندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی ہر بات خندہ پیشانی سے سن کر برداشت کر لی جائے، ان کے بار بار ٹوکنے پر دل میں ملال نہ لایا جائے اور ہر حال میں ان کی خدمت بجا لانا اپنا شیوہ بنا لیا جائے۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم والدین کی خدمت بجا لانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن وہ تخلیے میں اپنے ملاقاتیوں سے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ یہاں ہمیں پوچھنے والا نہیں۔ وہ اس طرح کی سخت سست باتیں کہہ دیتے ہیں جنہیں سن کر پریشانی اور پشیمانی لاحق ہونے لگتی ہے لیکن کڑی آزمائش یہی ہے کہ ہر حال میں اپنی سعادت مندی کا ثبوت دیا جائے اور حسبِ دستور ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دی جائے۔ بیٹا چاہے وزارت یا صدارت کے منصب پر فائز ہو اس کی سعادت یہی ہے کہ اپنے ماں باپ یا جو بھی ان میں سے حیات ہو اس کی قدم بوسی کرتا رہے۔ حسنِ سلوک کا تقاضا یہی ہے کہ ہمہ وقت ان کی خدمت میں مستعد رہا جائے۔ والدین کے ساتھ ادب اور محبت کا طریقہ اور قرینہ حسن سلوک کے سوا اور کچھ نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (۱)

”اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا ○“

رب العالمین کی طرف سے یہ دعا کا سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ اے انسان! جب تیرے والدین بڑھاپے کی اس حالت کو پہنچ جائیں تو ان کے حق میں اپنے رب سے یہ دعا مانگا کر کہ اے پروردگار! ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے اس وقت محبت و شفقت کی آغوش میں پالا تھا جب میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے اپنے نفع و نقصان کی کوئی

(۱) الاسراء، ۱۷: ۲۴

سدھ بدھ نہ تھی اور میں ہمہ وقت ان کی رحمت کا محتاج تھا۔

حقوق والدین کا بنیادی تصور ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں بھی ملتا ہے جو قرآن مجید نے نقل فرمائی اور وہ ہماری نماز کا حصہ ہے۔ اس دعا کے یہ کلمات ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُo(۱)

”اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو (بخش دے) اور دیگر سب مومنوں کو بھی، جس دن حساب قائم ہوگاo“

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام میں ہمہ وقت والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تلقین کی گئی ہے حتیٰ کہ ان کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد حق تو یہ ہے کہ والدین کا حق پھر بھی ادا نہیں ہوتا۔ ہمیں اللہ رب العزت سے والدین کی کماحقہٗ خدمت بجا لانے کی توفیق مانگنی چاہیے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

توحید باری تعالیٰ، احقاقِ حق اور نفی شرک و باطل کے بعد ماں باپ کی تعظیم و تکریم اور پاس ادب کو سب سے بڑھ کر اہمیت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ ان کے کافر و مشرک اور فاسق و فاجر ہونے کو بھی نظر انداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شریعت مطہرہ نے حقوق والدین کے باب میں جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے اس پر قرآن و حدیث کی روشنی میں کچھ گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔ اسی مضمون کو قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا۔(۲)

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۴۱

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۸

’’اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم فرمایا۔‘‘

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی سے پیش آنے کا حکم بصراحت امت مسلمہ ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ جملہ عالم انسانیت - قطع نظر عقیدہ، نظریہ اور دین - یہ بات بڑی تاکید اور شد و مد سے کہی گئی ہے۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ کے مصداق یہ اصولی حکم صرف اہل ایمان ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر مذہب و مشرب اور عقیدہ کے انسان کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد کہ ہم نے ہر انسان کے لیے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔ تمام امتوں، ملتوں اور قوموں میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان روا رکھنے کے بارے میں برابر چلا آ رہا ہے اور اس کی قطعیت و حتمیت میں کبھی سرِ مُو فرق نہیں آیا۔

شریعتِ موسوی اور عیسوی میں والدین کے بارے میں حکم

یہ امر آپ کے لیے شاید حیران کن ہو کہ توریت میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی والدین کے حقوق سے متعلق یہاں تک حکم دیا گیا کہ جو والدین کو برا بھلا کہے، گالی گلوچ کرے، یا زبان سے ایسا کلمہ کہے جو لعنت پر محمول کیا جا سکے اس کی سزا قتل ہے۔ والدین کی ہتک و توہین کی آخرت میں جو سزا ہونی تھی وہ تو ہونی ہی تھی اس دنیا میں بھی اس جرم کا مرتکب گردن زدنی اور سزائے موت کا مستحق قرار پایا۔

یہی حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا جو کتاب توریت میں بھی موجود تھا۔ گویا شریعت عیسوی کے مطابق والدین کی اہانت اور بے ادبی کی سزا بھی موت تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں والدین کی بے ادبی کتنا گھناؤنا جرم (heinous crime) تھا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی سزا (capital punishment) موت مقرر کی گئی تھی۔

اُمتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ باوجود گنہگار و خطا کار لوگوں کی بے لحاظی، بے مروتی اور بے ادبی کے جو وہ اپنے والدین سے روا رکھتے ہیں، انہیں دنیا میں

تو سزائے موت سے بچا لیا گیا لیکن آخرت کی بدبختی اور عذاب کا مستحق ہونے کے باب میں یہ جرم گناہِ کبیرہ قرار پایا ہے اور دیگر تمام امور سے اس کی سزا بھی نسبتاً زیادہ ہوگی۔

والدین سے بھلائی اور اِحسان کی حد

متذکرہ صدر آیت میں والدین کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کا واضح ارشاد خداوندی موجود ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کہاں تک بھلائی کرے یعنی بھلائی کی حد کیا ہوگی۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ بھلائی کی حد وہاں تک ہے جو انسانی عقل وخرد اور وہم وگمان سے بھی بالا تر ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

وَ اِنْ جَاهَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا.[1]

”اور اگر وہ تجھ پر (یہ) کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کر۔“

اس آیہ کریمہ پر غور کریں تو اس کا یہ مفہوم کھل کر سامنے آتا ہے کہ اگر تمہارے والدین کافر ومشرک ہوں اور وہ کفر وشرک میں اس حد تک چلے گئے ہوں کہ وہ تمہیں بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا حکم دیں تو تمہیں اس امر کی اجازت ہے کہ ان کا حکم نہ مانو۔ اس سے وراء الوراء وہ جو بھی کہیں ان کے ساتھ حسن سلوک اور مہر ومروت بھرا طرز عمل روا رکھتے ہوئے فرمانبرداری کے تقاضے پورے کرو۔ ان کا مشرک ہونا تمہاری راہ میں آڑے نہیں آتا کہ تم ہر حال میں ان کے ساتھ بحیثیت مسلمان اولاد اس قدر بھلائی کرو جو انسانی حد تک ممکن ہو۔ صرف اس صورت میں تمہیں ان کا کہا ماننے سے منع کیا گیا ہے جب وہ تمہیں کفر وشرک کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگیں۔ اس سے والدین کے مقام وادب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کی تعظیم وتکریم کے لیے یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ متقی، پارسا، پرہیزگار اور عابد وزاہد ہوں۔ بلکہ اس کے برعکس اگر وہ معاذ اللہ جھوٹے،

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۸

بدکار، نافرمان و خطا کار، راشی، بدعنوان، تارکِ نماز اور تارکِ روزہ ہی کیوں نہ ہوں ان کی زندگی کفر و شرک کی نجاست سے کتنی ہی آلودہ کیوں نہ ہو، اولاد کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ ان کے فسق و فجور، گناہوں اور بد اعمالیوں کو نظر انداز کر کے ان کی خدمت بہرحال بجا لاتی رہے۔ اولاد چاہے کتنی ہی متقی اور پرہیزگار ہو اپنے والدین کی خطا کاریوں اور فسق و فجور پر نظر رکھ کر ان کی خدمت ترک نہ کرے۔ اگر ان کا عمل کوتاہ اور ناقص ہے ان کی تردامنیوں کا حساب حشر کے دن ان سے لیا جائے گا اور وہ سزا و جزا کے مرحلوں سے گزریں گے۔ ان کا معاملہ ان کے اور ان کے اللہ کے مابین ہوگا۔ اولاد کے لیے ہر حال میں واجب ہے کہ وہ ان سے حسن سلوک کرتے رہیں۔ ہاں انہیں نیکی کی راہ پر لگانے کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکے تلقین و تبلیغ سے کوشش اور تگ و دو کرتے رہنا چاہیے اور اللہ کے حضور یہ دعائیں بھی کہ وہ انہیں راہ راست پر لے آئے۔ یہ بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنی بد اعمالیوں سے اپنے لیے جہنم کا راستہ بنا رہے ہیں تو انہیں اس راستے سے بچانا بھی حسن سلوک میں داخل ہے۔ یہ سب اپنی جگہ، مگر اولاد کو کسی درجہ میں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کی گنہگاری کو دیکھ کر ان کی خدمت گزاری سے ہاتھ کھینچ لے۔ ہر کام میں ان کا حکم بجا لاتے رہنا چاہیے، سوائے اس کے کہ وہ تمہیں کفر و شرک کی طرف کھینچنے لگیں یا کوئی خلاف شرع حکم ماننے پر مجبور کریں۔ اس حال میں **فَلَا تُطِعْهُمَا** کی رُو سے ان کی بات نہ مانو۔ لیکن خبردار! اس حالت میں بھی ان کے ساتھ سختی اور درشتی سے کلام نہ کرو اور ڈانٹ ڈپٹ کے انداز سے ان کے ساتھ بات نہ کرو کہ تم کون ہوتے ہو مجھے کفر و شرک اور خلافِ شرع بات کا حکم دینے والے؟ ہاں! اگر وہ ایسا کرنے پر اصرار کریں تو کمال شائستگی اور حد ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے انکار کر دو۔ **فَلَا تُطِعْهُمَا** کا مفہوم یہی ہے کہ ان کی بات ماننے سے انکار کر دو۔ باقی جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے جن سے شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی، اس سلسلہ میں ان کی خدمت بدستور جاری رکھو اور ان سے نرم اور ملائمت بھرے لہجے میں بات کرو۔ جھڑکنے، برا بھلا کہنے بلکہ اُف تک کہنے کی قرآن حکیم نے ممانعت کی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید نے والدین کی خدمت گزاری اور پاس ادب کوملحوظ رکھنے کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. (۱)

’’اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس (کی حقیقت) کا تجھے کچھ علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھے طریقے سے ساتھ دینا۔‘‘

اس آیت میں مزید تصریح کر دی گئی کہ اگر تمہارے والدین تمہیں خلاف اسلام امور میں مجبور کریں اور کفر و شرک اختیار کرنے پر اصرار کریں تو تم ان امور میں ان کی بات نہ مانتے ہوئے **وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا** کے مطابق باقی معاملات میں ان کی بہتر طور پر خدمت انجام دیتے رہو۔ غور کیجئے قرآن کتنی وضاحت سے اعلان کر رہا ہے کہ اے اہل ایمان، تم اپنے مشرک والدین کا دنیوی زندگی میں خدمت بجا لانے کا فریضہ بہرحال جاری رکھو۔ اس لیے کہ آخرت میں تم اس بہانے مواخذہ سے نہیں چھوٹ سکو گے کہ میں والدین کی اس لیے خدمت نہیں بجا لاتا رہا کہ وہ کافر تھے۔

فقہاء کرام کی تصریح

حکم خداوندی میں اس بات کی مخالفت کر دی گئی ہے کہ اولاد کو یہ استحقاق حاصل ہو کہ وہ اس بنا پر والدین کی خدمت کو ترک کر دے کہ وہ مشرک ہیں۔ یہ بہانہ کل قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہ ہو گا۔

فقہاء کرام نے یہاں اس امر کی ایک اور تصریح کی ہے کہ اگر والدین کافر و

(۱) لقمان، ۳۱: ۱۵

مشرک ہوں اور وہ اپنی مسلمان اولاد سے یہ کہیں کہ وہ انہیں بت خانے چھوڑ آئے تاکہ وہ بتوں اور جھوٹے معبودوں کی عبادت کر سکیں تو اولاد اپنے والدین کو وہاں نہ لے جائے۔ ہاں! اگر وہ بتوں کی پوجا پاٹ سے فارغ ہو جائیں اور اپنی اولاد کو پیغام بھیجیں کہ آ کر انہیں گھر لے جائے تو وہ بت خانے میں جا کر اپنے والدین کو گھر واپس لے آئے۔

اللہ! اللہ! والدین کا ادب واحترام اسلام کی نظر میں کتنا زیادہ ہے۔ اسلام نے والدین کے جو حقوق متعین کیے ہیں دوسرے کسی مذہب اور نظریے میں ان کا پاسنگ نہیں۔ وہاں تو سرے سے نہ والدین کے حقوق کا کوئی پاس ہے اور نہ اولاد کے حقوق کا کوئی خیال۔ افسوس کہ ہم مغرب کی چکّا چوند سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں اور مغرب زدگی کی اس رو میں بہہ کر اس تصور سے اِلّا ماشاء اللہ عاری ہو گئے ہیں جو اسلام نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ ہم اپنے والدین کے لیے علیحدہ کمرے بنا کر اور ان کے نان ونفقہ کے لیے ماہانہ روزینہ مقرر کر کے بزعم خویش یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم ان کے حقوق پورے کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن وسنت کی رو سے والدین کے جو حقوق متعین کیے گئے ہیں ان کے پیش نظر یہ خدمت کافی نہیں۔ خدمت کے اور بہت سارے پہلو ہیں جنہیں ملحوظ خاطر رکھنا لازمی ہے۔

والدین، اولاد کے لیے جنت بھی ہیں جہنم بھی

احادیث کے بالاستیعاب مطالعہ سے والدین کے حقوق کا تعین ہوتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! والدین کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے ان کے کیا کیا حقوق ہیں؟

آقائے دوجہاں ﷺ نے والدین کی نسبت سوال کرنے والے اس شخص سے فرمایا:

هُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ.(۱)

’’وہی دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔‘‘

حدیثِ مبارکہ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تمہارے والدین ہی تمہاری جنت ہیں اگر تم ان کی خدمت کا فریضہ بجا لاؤ گے تو جنت کے حق دار ہوگے اور اگر تم ان کی خدمت ترک کر دو گے تو وہ تمہارے دوزخ میں پہنچنے کا موجب بن سکتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے بخوبی یہ مترشح ہوتا ہے کہ پنجگانہ نمازیں، روزے، نوافل، عمرے، حج اور کثرت سے صدقات و خیرات ادا کرنا جنت میں لے جانے کا باعث نہیں بنتا اگر ان اعمال کا عامل ماں باپ کا گستاخ و بے ادب ہو اور ان کا خدمت گزار نہ ہو۔ حدیث کے الفاظ بغیر کسی ابہام کے اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ ماں باپ کے گستاخ اور بے ادب کی ہر طرح کی عبادتیں اللہ کی بارگاہ میں غیر مقبول ہوں گی اور انہیں ان عبادتوں کے باوجود جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اسلامی احکام باہم مربوط اور لازم وملزوم ہیں

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی نظام کی اصل اور روح یہ ہے کہ اس کے تمام تر احکام ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم اور باہم مربوط ہیں۔ ایک کا دوسرے پر انحصار ہے اور وہ اسلام کے مکمل و جامع نظام میں اجزائے لاینفک کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایمانیات کے باب میں اگر دس اجزاء میں سے نو اجزاء پر آپ عمل کریں

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب بر الوالدين، ۲: ۱۲۰۸، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ مقدسی، فضائل الأعمال، ۱: ۷۴، رقم: ۳۱۲

۳۔ منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، ۳: ۲۱۶، رقم: ۳۷۵۹

اور ایک جزو کو چھوڑ دیں اور بخشش کی امید اس برتے پر رکھیں تو یہ

ایں خیال است و محال است وجنوں

والی بات ہوگی۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اسلام کوئی جز وقتی چیز نہیں کہ کچھ کو تھوڑے وقت کے لیے مان لیا کچھ کو چھوڑ دیا بلکہ اسلام جو زندگی عطا کرتا ہے وہ ایک کلیّت اور وحدت کا نام ہے اسے مختلف اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم واضح طور پر ارشاد فرما رہا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (۱)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''

آیہ کریمہ میں اسلام کے حصار میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کو جزوی طور پر تسلیم کر کے مذاق نہ بنا دیا جائے اور اسلام کو ٹکڑے کر کے اس کی کلیّت کو ضعف نہ پہنچایا جائے۔ اسلام کے کل میں ہر جزو غیر متبدل ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک جزو کو پکڑ لیا اور دوسرے سے بے اعتنائی روا رکھی اور چھوڑ دیا۔ اسے بدیہی طور پر اسلام کی تعلیمات کو من حیث الوجوہ اور من حیث الکل قبول کرنا ہوگا۔ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسلام کو ایک نا قابلِ شکست و ریخت وحدت تصور کیا جائے جس کو اجزاء اور خانوں (compartments) میں تقسیم کر دینے سے اس کے وجود اور استحکام و سالمیّت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں اجزاء کے مقابلے میں کلیت کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے بخوبی ہوسکتا ہے:

ایک صحابی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر سوال کیا:

اَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟

(۱) البقرة، ۲: ۲۰۸

’’اللہ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟‘‘

اس حدیث میں یہ سوال قابل توجہ ہے کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا جواب حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ مرحمت فرمایا:

الصَّلٰوة عَلٰى وَقْتِهَا.

’’نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔‘‘

یعنی اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل نماز کا اپنے صحیح وقت پر ادا کرنا ہے تا کہ قیام صلٰوۃ کے ثمرات پوری طرح سے حاصل ہو سکیں۔ صحابی نے عرض کیا: پھر کون سا عمل اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہے؟ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ.

’’والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔‘‘

یعنی نماز کے بعد محبوب ترین عمل والدین کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے۔ صحابی نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ. (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها، ۱:۱۹۷، رقم: ۵۰۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ۱:۹۰، رقم: ۸۵

۳۔ نسائی، السنن، كتاب المواقيت، باب فضل الصلاة لمواقيتها، ۱:۲۹۲، رقم: ۶۱۰، ۶۱۱

’’(والدین کی خدمت کے بعد) اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے)۔‘‘

یعنی والدین کی خدمت کے بعد تیسرا عمل جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت ایسا عمل ہے جو جہاد سے بھی زیادہ فضیلت اور درجہ رکھتا ہے۔

مقبولین الٰہی کے خواص کے باب میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللهَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا.(۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔‘‘

اس ارشاد کی رُو سے پہلا درجہ اللہ نے اپنی عبادت و پرستش کا رکھا، اپنی عبادت اور عقیدہ توحید کے اثبات میں دوسرا درجہ والدین کی خدمت اور اطاعت کا رکھا ہے۔

ایک معروف حکایت

والدین کی خدمت و اطاعت اللہ کی نظر میں کیا درجہ رکھتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حکایت سے ہوسکتا ہے جو زندگی میں کبھی نہ کبھی آپ نے ضرور سنی ہوگی۔ یہ کوئی فرضی کہانی نہیں جو بالعموم قصے کہانیوں کی کتابوں میں درج ہوتی ہے۔ یہ آقائے دو جہاں ﷺ کے ارشاد پر مبنی حکایت ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی متعدد کتب احادیث میں مقبول ہے۔ حکایت اس طرح ہے:

ایک دفعہ تین آدمی ایک سفر پر نکلے۔ راستے میں موسلا دھار طوفانی بارش نے

(۱) البقرة، ۲: ۸۳

انہیں آ لیا اور وہ پناہ لینے کے لیے ایک غار میں چلے گئے۔ بارش اور آندھی اتنی شدید تھی کہ ایک بڑا پتھر غار کے منہ پر آ گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا، اور ان کے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ پتھر اتنا بھاری تھا کہ اسے ہاتھوں سے ہٹانا انسانی بس سے باہر تھا۔ اس ناگہانی افتاد نے انہیں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار کر دیا۔ ہوا اور روشنی سے محروم اس غار میں انہیں اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ اس اضطراری کیفیت میں ان تینوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ اپنا کوئی محبوب عمل جو للّٰہیت اور نیکی پر مبنی ہو، یاد کریں اور اسے وسیلہ بنا کر اللہ کے حضور دعا کریں کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے۔

چنانچہ پہلے شخص نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ اس نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ایک چرواہا ہوں۔ روزانہ بکریوں کو اجرت پر چرانا میرا ذریعہ معاش رہا ہے۔ میرے والدین انتہائی بوڑھے اور ضعیف تھے جو میری بیوی اور بچوں کے ساتھ گھر میں مقیم تھے۔ میرا یہ معمول تھا کہ شام کو گھر لوٹتا تو بکریوں کا دودھ دھو کر سب سے پہلے اپنے والدین کو دیتا۔ جب وہ شکم سیر ہو جاتے تو بعد میں بیوی بچوں کو دیتا باوجود اس کے کہ میرے بچے دودھ کے بغیر بلک رہے ہوتے اور وہ حسرت بھری نظروں سے مجھے ملتجیانہ انداز سے تک رہے ہوتے۔ میرے معمول میں کبھی فرق نہ آیا اور میں دل و جان سے بوڑھے ماں باپ کی خدمت انجام دیتا رہا اور ہمیشہ یہ کوشش کی کہ مجھ سے کبھی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔

ایک دن اے اللہ! تیری مشیّت اس طرح کارفرما ہوئی کہ بکریاں چرتی ہوئی بہت دور نکل گئیں۔ جب انہیں لے کر گھر لوٹا تو کافی رات گزر چکی تھی۔ میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا اور لے کر والدین کے پاس گیا تو وہ انتظار کرتے کرتے سو گئے تھے۔ میرے بیوی بچے جاگ رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ بوڑھا اور بڑھیا تو سو گئے ہیں یہ دودھ ہمیں دے دو، مگر میں نے ان کی ایک نہ مانی اور دودھ لے کر والدین کے سرہانے کھڑا رہا کہ وہ جاگیں تو انہیں پیش کیا جائے۔ مگر وہ ساری رات سوتے رہے اور میں نے انہیں

جگانا مناسب نہ سمجھا اور نہ ہی دودھ پیچھے ہٹانا گوارا کیا۔ مبادا رات کے کسی حصے میں جاگ جائیں اور مجھ سے دودھ طلب کریں۔ اس دوران میرے بیوی بچے بھی انتظار کرتے کرتے سو گئے، مگر میں نے ساری رات اپنے بوڑھے ماں باپ کے سرہانے کھڑے کھڑے گزار دی۔ اے اللہ! میں نے ہی سب کچھ تیری رضا کے لئے کیا۔ اگر تجھے میرا یہ عمل پسند ہے اور تو مجھ سے راضی ہے تو ہمیں اس عذاب سے اور بلائے ناگہانی سے نجات دے دے۔

دل مضطر سے نکلی ہوئی دعا بارگاہ حق میں مقبول ہوئی اور اچانک پتھر سرک کر ایک طرف تھوڑا سا ہٹ گیا۔ باقی دونوں نے بھی اپنے اپنے محبوب عمل کو وسیلہ بنا کر بارگاہ خداوندی میں پیش کیا اور دعائیں کیں جن کے نتیجے میں وہ پتھر غار کے منہ سے ہٹ گیا اور وہ تینوں اس ابتلا سے نجات پا کر باہر آ گئے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔(۱)

اس حکایت کا اخلاقی نتیجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کے محبوب نیک اعمال کا حیا کرتا ہے اور ان کے وسیلے سے کی گئی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ ان اعمال صالحہ میں جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند اور محبوب ہیں، ان میں والدین کی خدمت سرفہرست ہے۔

ایک سبق آموز فرمان

والدین کی خدمت گزاری بڑی سعادت مندی ہے اس کا کچھ اندازہ اس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب إجابة دعاء من بر والدیه، ۵: ۲۲۲۸، رقم: ۵۶۲۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء، باب قصة أصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح الأعمال، ۴: ۲۰۹۹، رقم: ۲۷۴۳

۳۔ ابوعوانه، المسند، ۳: ۴۲۱، رقم: ۵۵۴۹

حدیث پاک سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ آقا مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دے دیجئے۔ جہاد میں شرکت بہت بڑی نیکی اور بظاہر ایسا عمل ہے جس کے بارے میں قرین قیاس نہیں تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ اسے نیک کام سے روکتے یا اس آرزو کی تکمیل سے منع فرما دیتے۔ لیکن آقائے دو جہاں ﷺ اس شخص سے استفسار فرماتے ہیں کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ وہ اثبات میں جواب دیتا ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. (۱)

”تو ان کی خدمت میں رہ کر جہاد کر۔“

وہ نابکار جس نے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور اپنے لیے جنت کا سامان نہ کر سکا اس سے بڑھ کر بدبخت اس دنیا میں کوئی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ ﷺ نے ایسے شخص کے لیے ہلاکت اور تباہی و بربادی کی کڑی وعید سنائی جسے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کے ذریعے مفت میں جنت حاصل کرنے کا موقع ملا اور وہ اس نے عاقبت نا اندیشی کی بنا پر ہاتھ سے گنوا دیا۔ واقعتاً اس شخص سے بڑا بدبخت اور کون ہوگا جسے بوڑھے والدین یا دونوں میں سے ایک کی بڑھاپے کی عمر کا آخری حصہ نصیب ہوا اور اس نے ان کی خدمت کر کے اپنے مولا سے جنت کی ضمانت حاصل نہ کر لی۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب الجهاد بإذن الأبوین، ۳: ۱۰۹۴، رقم: ۲۸۴۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والأداب، باب بر الوالدین وأنهما أحق به، ۴: ۱۹۷۵، رقم: ۲۵۴۹

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الجهاد، باب ماجاء فیمن خرج فی الغزو وترك أبویه، ۴: ۱۹۱، رقم: ۱۶۷۱

والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

سورۃ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ. (۱)

’’اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے انسان کو والدین کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی یعنی والدین کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا۔ یہ والدین کے باب میں اجمالی حکم تھا کہ وہ دورانِ حیات دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ پھر اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ماں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ. (۲)

’’جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی۔‘‘

پہلے حکم میں تاکید مشترک ہے اور دونوں کے ساتھ یکساں نیک سلوک روا رکھنے کی تلقین کی گئی ہے جب کہ دوسرے میں صرف ماں کے لیے تاکید کی گئی ہے اور اس کے لیے منطقی اور پند و نصیحت کا انداز اور اسلوب اختیار کرتے ہوئے انسان کو اس امر کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ اس کی ماں اسے ولادت سے قبل کتنی تکلیف، مصیبت اور ابتلا کے عالم میں اٹھائے پھرتی رہی۔ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ کے الفاظ انتہائی معنی خیز ہیں جو انسان کو نفسیاتی پیرایۂ بیان (psychological approach) سے اس حقیقت کی طرف ملتفت ہونے کی

(۱) لقمان، ۳۱: ۱۴

(۲) لقمان، ۳۱: ۱۴

دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اپنے دھیان کی آنکھ کھول کر دیکھے کہ اس کی ماں کتنی جاں لیوا مشقت سے اس کے وجود کا بوجھ اٹھائے پھرتی رہی جس نے اس پر پے در پے تھکن اور درماندگی کے اثرات طاری کیے رکھے لیکن وہ انہیں خوش طبعی اور خندہ پیشانی سے بغیر کسی حزن و ملال کے برداشت کرتی رہی۔ قرآن حکیم حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا کے الفاظ استعمال کر سکتا تھا جس سے بچے کو پیٹ میں اٹھانے اور تکلیف کے ساتھ تھکن برداشت کرنے کا مفہوم بخوبی ادا ہو جاتا ہے لیکن وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ میں تکرارِ لفظی کا مطلب یہ ہے کہ قبل از ولادت کا سارا عرصہ وہ بار بار تکلیف اور تھکن کی کیفیت سے چور ہو کر اپنے بچے کا بوجھ اٹھائے رکھتی ہے۔ لہٰذا انسان کو اس امر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ وہ تمہاری خاطر کتنے کرب اور اذیت کی کیفیت سے دوچار ہوتی رہی اور اس عرصہ میں اسے صرف ایک ہی فکر لاحق ہوتی رہی تھی کہ تم رحم مادر میں محفوظ رہو اور ستم ہائے روزگار سے تمہارے وجود کو کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

قبل اَز ولادت کرب و اذیت کا دور

اگر آپ دیدۂ بینا کے ساتھ مشاہدہ و معائنہ کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وضعِ حمل سے ولادت تک کا عرصہ ماں کے لیے ناقابلِ بیان حد تک اذیّت، کرب اور بے یقینی کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس کے جسم کی تشکیل کا مرحلہ ماں کے جسم کے اندر بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا وجود تشکیل پذیر ہو کر بتدریج بڑھنے لگتا ہے تو ماں کے دل و دماغ میں عجیب کیفیات اور اندیشہ ہائے دور دراز جنم لینے لگتے ہیں۔ وہ نہیں جانتی کہ نو ماہ کی تکلیف اٹھانے کے بعد اس کا بچہ زندہ اور صحیح و سالم بھی ہوگا یا نہیں۔ اس قسم کے ہزار تفکرات اس پر شب و روز طاری رہتے ہیں۔ اس نے اپنے بچے کو ابھی تک نہیں دیکھا لیکن اس کی جان ہلکان اور اس کا خون خشک ہوتا رہتا ہے۔ وہ وضع حمل تک بے یقینی کی صلیب پر لٹکی رہتی ہے لیکن ان ساری پریشانیوں سے دو چار ہو کر اور بار بار تھکن سے گزر کر بھی وہ نہیں ہارتی بلکہ وہ کتنی ہی راتیں جاگ جاگ کر گزار دیتی ہے۔

بچے کی پرورش اور نگہداشت میں ماں کا مثالی جذباتی کردار

جب ولادت کا مرحلہ بخیر وخوبی گزر جاتا ہے اور نومولود اس دنیا میں وارد ہو جاتا ہے تو اس کے جسم کا رواں رواں زبان حال سے شکرانہ بجا لاتا ہے۔ لیکن اس ننھے وجود کی فکر جو اس کے پہلو میں لیٹا ہوتا ہے، اسے مسلسل مضطرب اور بے چین کیے رکھتی ہے۔ قرآن کریم پہلے دو سالوں کے بعد از ولادت دور کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ.[1]

”اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے۔“

یعنی نو ماہ کی تکلیف اٹھانے کے بعد جب اس کا نونہال اس جہان آب وگل میں آنکھ کھولتا ہے تو پھر ماں کو اس کی پرورش کی فکر ستانے لگتی ہے۔ وہ اپنی جسمانی صحت اور آرام سے بے نیاز اور بے گانہ ہو کر اسے اپنی چھاتی سے طاقت بخش دودھ پلاتی ہے۔ وہ ایسی غذائیں کھاتی ہے جو زیادہ سے زیادہ دودھ پیدا کریں، جو اس کے ناتواں اور منحنی سا وجود رکھنے والے نومولود کو تاب وتوانائی بخش سکیں۔ اسے اس امر کی ذرہ بھر تشویش نہیں ہوتی کہ ایسا کرتے ہوئے اس کی اپنی صحت ٹھیک رہتی ہے یا نہیں۔ وہ اپنا خون جو دودھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر اسے پلا دینے میں ہی عافیت سمجھتی ہے۔ گویا وہ اپنی جان کے عوض ایک دوسری جان کو پالنے لگتی ہے جو کبھی اس کے وجود کا حصہ تھا اور اب ایک الگ وجود کی صورت میں پرورش اور نمو پانے کے عمل سے گزر رہا ہے۔

بچے کی پرورش ونگہداشت میں ماں کا کردار بے بدل اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ قدرت نے اس میں ممتا کا کتنا بڑا خزانہ بھر دیا ہے۔ وہ اپنے بچے کی زندگی، صحت اور تندرستی کے لیے جان تک داؤ پر لگانے سے بھی گریز نہیں کرتی۔

---

(۱) لقمان، ۳۱: ۱۴

موسم سرما میں کڑاکے کی سرد راتوں میں وہ بچے کو پیشاب والی گیلی جگہ سے خشک بستر پر لٹاتی ہے اور خود گیلے بستر پر لیٹنے کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ بچے کی راحت اور آرام کے لیے خود بے آرامی میں مبتلا ہونا تو گوارہ کر لیتی ہے لیکن بچے کی ذرہ بھر تکلیف اسے ملول و رنجیدہ کر دیتی ہے۔ بالخصوص ان دنوں میں جب بچے کو کوئی تکلیف اور علالت ہو تو اس کی پریشانی اور بے چینی دیدنی ہوتی ہے۔ ایسے میں والد تو اکثر و بیشتر بے فکری کی چادر تانے خواب استراحت کے مزے لیتا ہے لیکن ماں ساری ساری رات پریشانی اور فکرمندی کے اندھیروں میں صبر کا پیکر بنے ہوئے آنکھوں میں گزار دیتی ہے۔ بچے کے علاج معالجے اور غور و پرداخت میں ایک ایک لمحہ گزارنا اس کے لیے سوہان روح ہوتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ باپ سارا دن فکر روزگار میں مارا مارا پھرتا ہے اور بیمار بچے کے دوا دارو میں کوئی کسر اٹھائے نہیں رکھتا لیکن ماں کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ایک مقام پر والدین کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کے ذیل میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا. (۱)

’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا اور اسے تکلیف کے ساتھ جنا، اور اس کا (پیٹ میں) اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا (یعنی زمانۂ حمل و رضاعت) تیس ماہ (پر مشتمل) ہے۔‘‘

اس ارشاد باری تعالیٰ میں والدین کے ساتھ احسان کرنے کے حکم کو تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر اس کے فوراً بعد ماں کی ان تکلیفوں کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ بچے کو

(۱) الأحقاف، ۴۶: ۱۵

حمل اور وضعِ حمل کے دوران اور اس کے بعد برداشت کرتی ہے۔ اس میں دو سال تک بچے کو دودھ پلانے کے مرحلے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا کے الفاظ انسان کو اس زمانے کی طرف متوجہ کرتے ہیں جب اس کی ماں اسے پیٹ میں سنبھالا دیئے ہوئے تھی اور وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا میں پیدائش کی تکلیف اور دردِ زہ کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نے انتہائی جان لیوا تکلیف کی حالت میں اسے جنا اور پھر ان دونوں زمانوں کو ملا کر وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کا ذکر کیا گیا۔ گویا انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ اے ماں کی قدر ناشناسی کرنے والے ظالم! ذرا دیکھ کہ اپنی جان کو تیری جان کے لیے وقف کر دینے کا زمانہ جو تیس مہینوں پر مشتمل ہے اس عرصہ میں وہ فقط تیری نشوونما کی خاطر کتنی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتی رہی۔ یہ چند دنوں یا ایک دو مہینے کی بات نہیں پورے تیس ماہ اس نے اپنی جان تیرے آرام و آسائش کے لیے کھپائے رکھی اور اپنے آپ کو مسلسل بے آرامی اور بے سکونی کی حالت میں مبتلا کیے رہی۔ اب بھی اگر تو اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے مقام و مرتبہ کی اہمیت سے بے خبر ہے تو حیف ہے تیری عقل و دانش، علم و فکر اور تیری انسانیت پر!

اگر کوئی انسان فرمودۂ خداوندی کے مطابق اپنی تخلیق کے اس ابتدائی زمانے کی طرف ہی نگاہ کرے تو وہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ وہ اپنی ماں کی پرورش کے ایک دن کا بھی حق عمر بھر ادا نہیں کر سکتا۔

ماں کی اہمیت کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد

قرآن مجید میں ماں کے حق کو جو صراحت و تاکید سے بیان کیا گیا ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایک متفق علیہ حدیث سے اس کی مزید تائید و وضاحت ہوتی ہے۔

ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ

يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ:

ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ، قَالَ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ، قَالَ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوْکَ.(۱)

’’یا رسول اللہ! لوگوں میں مجھ پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آقاے دو جہاں ﷺ نے اس سوال کرنے والے صحابی سے فرمایا: تیری ماں کا۔ اس صحابی نے پھر عرض کیا: حضور! اس کے بعد کس کا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں کا۔ وہ صحابی پھر عرض کرنے لگا کہ آقا! یہ تو ٹھیک ہے مگر اس کے بعد کس کا حق ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے تیسری بار بھی یہی ارشاد فرمایا: تیری ماں کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اس صحابی نے جب چوتھی بار یہی سوال دہرایا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد تیرے باپ کا حق ہے۔‘‘

گویا اس ارشاد نبوی کی رو سے ماں کو حقوق کے ضمن میں باپ سے تین درجے مقدم رکھا گیا ہے اور باپ کا حق ماں کے بعد چوتھے درجے پر آتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قرآن حکیم کے اس ارشاد کی توضیح وتشریح میں ہے جس میں بڑی تاکید اور شد و مد کے ساتھ حقوق والدین کے ذیل میں ماں کے حق کی اہمیت کو جتلایا گیا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ جو گزشتہ صفحات میں بھی بیان کی جا چکی ہے۔ اب اسے ایک مختلف انداز سے بیان کیا جا رہا ہے۔ روایت یوں ہے:

ایک صحابی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، ۵:۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والأداب، باب بر الوالدین وأنهما أحق به، ۴:۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الوصایا، باب النهي عن الإمساك فی الحیاة، ۲:۹۰۳، رقم: ۲۷۰۶

جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں لیکن اس کی طاقت نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی حیات ہے؟ صحابی نے عرض کیا کہ ماں زندہ ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا:

فَأَبْلِ اللهَ فِي بِرِّهَا فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَأَنْتَ حَاجٌّ وَمُعْتَمِرٌ، وَمُجَاهِدٌ.(۱)

’’جاؤ اپنی ماں کی خدمت بجا لاتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ کہ اس سے تمہیں حج کا ثواب ملے گا، عمرے کا ثواب بھی ملے گا اور جہاد کا بھی۔‘‘

صحابی نے تو فقط جہاد کی بات کی تھی مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے تینوں چیزیں بیان فرما دیں کہ اگر تو ماں کی خدمت کی توفیق حاصل کرے تو اس سے تجھے جو اجر و ثواب ملے گا وہ حج، عمرہ اور جہاد تینوں کے برابر ہو گا۔

اس سے اس مسئلے کا استنباط ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں اور جوان اولاد کے سوا ان کی خدمت اور خبر گیری کرنے والا اور کوئی نہ ہو تو حج، عمرہ اور جہاد پر جانے کی بجائے انہیں اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کو مقدم جاننا چاہیے۔ یہ وہ قابل توجہ نکتہ ہے جسے آج حرزِ جاں بنا لینے کی ضرورت ہے۔

احادیث میں ایک اور روایت یوں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ اللہ کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر جہاد کرنا چاہتا ہوں، مجھے اجازت مرحمت فرمائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے استفسار

---

(۱) ۱۔ ابویعلی، المسند، ۵:۱۴۹، رقم: ۲۷۶۰
۲۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱:۱۴۴، رقم: ۲۱۸
۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳:۱۹۹، رقم: ۲۹۱۵
۴۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶:۱۷۹، رقم: ۷۸۳۵

فرمایا کہ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس کے اثبات میں جواب دینے پر حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ جا اپنی ماں کی خدمت کر۔ صحابی بیان کرتے ہیں میں نے خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے توجہ مرحمت نہیں فرمائی لہٰذا میں نے کئی بار عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الزم رجليها فثم الجنة. (۱)

''جا کر ماں کے قدموں کو تھام لو جنت مل جائے گی۔''

بڑھاپے میں ماں کو اپنی جوان اولاد کی ضرورت کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ بیٹے کا اپنی ماں کی خدمت میں رہنا جہاد سے کہیں مقدم اور افضل ہے۔

جس نے والدین کو پایا اور خدمت نہ کی

صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں ایک حدیث مبارکہ یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے کہ اچانک آپ نے بلند آواز سے ''آمین'' کے الفاظ تین دفعہ ادا فرمائے۔ پھر قریب بیٹھے ہوئے صحابہ کرام کے عرض کرنے پر ان سے فرمایا کہ ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، انہوں نے مجھے کہا کہ دوسری بار آپ ﷺ نے ''آمین'' اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنی زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ پایا لیکن وہ اپنی بدبختی کی وجہ سے اس کی برکتوں اور سعادتوں سے محروم رہا اور اپنے گناہ نہ بخشوا سکا۔ جس شخص نے اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور وہ ان کی خدمت سے محروم رہا یا ان کی دل آزاری اور تکلیف کا سبب بنا تو وہ اپنے اس عمل کی بنا پر اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا اور جہنم میں چلا گیا۔ آپ فرما

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۵۱۸، رقم: ۳۳۴۶۰

۲۔ ہناد بن سری، الزھد، ۲: ۴۸۴، رقم: ۹۹۰

۳۔ ابن قانع، معجم الصحابۃ، ۳: ۷۵، رقم: ۱۰۲۸

دیجئے کہ اللہ اسے اپنی رحمت سے دور رکھے۔ اس پر میں نے ''آمین'' کہہ دیا۔

اس طرح گویا اس بات پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی کہ اس شخص کو جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت کر کے خود کو بخشوا نہ سکا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت سے محروم کر دیا گیا اور اب اس کی جہنم سے خلاصی کی کوئی امید نہیں ہے۔

تیسری بات جو جبرائیل امین علیہ السلام نے کہی اور اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ''آمین'' کہا اس شخص کے بارے میں تھی جس کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر درود نہ پڑھا اور وہ اسی حالت میں مر گیا تو گویا وہ اللہ کی رحمت سے دور جہنم میں جا گرا۔(۱)

متذکرہ حدیث مبارکہ میں تین چیزوں کا ایک ساتھ ذکر ہوا مگر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ان میں سے سب سے پہلا حق بندے کا اپنے والدین پر ہے جس کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی گئی۔ گویا اس شخص کی بدبختی اور حرماں نصیبی پر کوئی کلام نہیں جس کو بوڑھے والدین کی خدمت بجا لانے کا موقع ملا مگر اس نے یہ نایاب موقع گنوا دیا اور جنت کی ضمانت نہ حاصل کر سکا۔

غیر مسلم والدہ سے طرزِ عمل

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی والدہ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کافرہ اور مشرکہ تھیں۔ اس وقت تک اہل ایمان کو کافر و مشرک مرد اور عورت سے نکاح نہ کرنے کا حکم وارد نہ ہوا تھا۔ یہ حکم قرآن حکیم میں بعد

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۸۸، رقم: ۹۰۷
۲۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۳:۱۹۲، رقم: ۱۸۸۸
۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹:۱۷، رقم: ۸۹۹۴

میں صادر ہوا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ہاں ان کی والدہ ملنے آئیں تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری والدہ مجھ سے ملنے آئی ہیں درآنحالیکہ وہ کافرہ و مشرکہ ہیں لیکن اسلام کی طرف راغب اور مائل ہے کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔(۱)

اس سے یہ نکتہ بھی کھلا کہ والدین چاہے کفر و شرک کی راہ پر ہی کیوں نہ ہوں اس سے قطع نظر ان کے ساتھ بھی محبت بھرا برتاؤ اور حسن سلوک کا رویہ برقرار رکھنا چاہیے۔ ان کا دوسرے مذہب پر ہونا اولاد کی طرف سے حسن سلوک میں مانع نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز حکایت

امام عاشقاں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ - جو یمن کے علاقہ قرن کے رہنے والے تھے - نے آقائے دو جہاں ﷺ کا زمانہ پایا اور ایک دو سال نہیں بلکہ پورے بیس سال کا زمانہ پایا۔ وہ امامِ عاشقاں حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارکہ تک آپ کے بے مثال عہد مبارک میں رہنے کے باوجود آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں زیارت سے محروم رہنے کی وجہ سے شرف صحابیت سے محروم رہا۔

صحابی ہونا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا قطب، غوث حتّٰی کہ سیدنا غوث اعظم بھی صحابیّت کے درجے میں کسی کے مقابلے اور ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ خواہ کسی کو ہر روز خواب یا عالم بیداری میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہو پھر بھی وہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابی وہ ہوتا ہے جسے خواہ ایک لمحے کے لئے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف آپ ﷺ کی ظاہری زندگی کے دوران حالت ایمان میں حاصل ہو گیا اور وہ حالتِ ایمان پر ہی مرا ہو۔

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۲:۱۹۸، رقم: ۴۵۳

۲۔ ابن راھویہ، المسند، ۲:۲۹۷، رقم: ۸۱۸

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں اپنی زندگی کے بیس سال گزارنے کے بعد بھی شرف صحابیّت سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ وہ عاشق صادق اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کی ایک جھلک انہیں صحابیّت کے مرتبے پر فائز کر سکتی ہے جس سے ان کا مقام تابعیّت کے درجے سے اونچا ہو جائے گا مگر انہوں نے اپنی ضعیف ماں کی خدمت کی خاطر شرف صحابیت سے محروم ہونا گوارا کر لیا اور جیتے جی ماں کے قدموں سے دوری اختیار نہ کی۔ ماں کی خدمت گزاری میں بدستور لگے رہنے کا حکم بھی آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اس کی تعمیل میں وہ زندگی بھر ماں کی خدمت میں محو رہے اور تا دمِ آخر ماں کی خدمت گزاری کو مرتبہ صحابیّت کے حصول پر ترجیح دیتے رہے۔

ایک بار وہ عاشق زار اپنی ماں کی اجازت سے شوقِ دید سے سرشار ہو کر اپنے آقا کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے لیکن ماں کا حکم تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف فرما ہوں تو مل لینا اور نہ ہوں تو پھر انتظار نہ کرنا اور واپس پلٹ آنا۔ اتفاق کی بات تھی کہ جب اویس رضی اللہ عنہ درِ دولت پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے دور کہیں تشریف لے جا چکے تھے۔ چنانچہ وہ محبوب کے نام یہ پیغام چھوڑ کر واپس لوٹ آئے کہ آپ کا اویس زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا مگر چونکہ ماں کی طرف سے انتظار کرنے کی اجازت نہ تھی اس لیے بغیر ملاقات کے لوٹ کر جا رہا ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے جس طرح ماں کی خدمت کا حق ادا کیا وہ تاریخ انسانیّت کا ایک نادر الوقوع واقعہ ہے جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ اگر کوئی ہم جیسا کور ذوق اور کوتاہ اندیش ہوتا تو مدینہ طیبہ پہنچ کر کچھ عرصہ اور قیام کر لیتا کہ چلو اتنی طویل مسافت طے کر کے پہنچے ہیں۔ دیدارِ جاناں سے شادکام ہو کر ہی لوٹتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ عاشق اویس قرنی رضی اللہ عنہ جیسا ہو اور چند لمحوں کے توقف کے بعد دیدارِ یار بھی میسر آ سکتا ہو مگر چونکہ ماں کا حکم تھا کہ اگر نہ ملیں تو بغیر انتظار کے پلٹ آنا، اس لیے حکم کے آگے بلا چون و چرا

سرِ تسلیم خم کر دیا اور واپس چلے آئے۔

خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا بلند مقام

ماں کی خدمت کے عوض حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو جو مقام و مرتبہ عطا ہوا اس کا اندازہ بھی ہم جیسے دنیادار نہیں لگا سکتے۔ اگرچہ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہری دیدار اور صحبت میسر نہ آئی تھی مگر پھر بھی ان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صحبت میں رہنے والوں سے حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے فضائل اور درجات بیان کیا کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو بتاتے کہ میرے اویس کی یہ علامت ہے اس کے فلاں ہاتھ پر داغ ہے اور اس کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ اس کی دعا سے میرے لاکھوں امتیوں کی بخشش و شفاعت ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ماں کی خدمت کے باعث شرفِ صحابیّت سے محروم رہنے والے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے فضائل و اوصاف کا حال سنتے تو ان کے دل میں موصوف کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوتا۔ ایک دفعہ حضرت عمر اور حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہما نے اس خواہش کا اظہار کیا اور پوچھا کہ کیا ہماری نگاہیں اویس رضی اللہ عنہ کو دیکھ پائیں گی؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تم دونوں میرے اویس کو دیکھ سکو گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آ گیا۔ حج کے دنوں میں عرب کے دور و نزدیک سے لوگ حج کرنے کے لیے مکہ آئے۔ شیخین کریمین یمن سے آنے والے لوگوں کے مختلف وفود سے ملتے اور اس خیال کے تحت کہ اویس رضی اللہ عنہ بھی دوسرے لوگوں کے ہمراہ حج کرنے کے لیے آئے ہوں گے، ایک ایک وفد سے پوچھتے کہ کیا تم میں اویس رضی اللہ عنہ نامی شخص بھی موجود ہے۔ وہ کہتے کہ ہم میں اس نام کا کوئی شخص نہیں۔ ہر وفد کا یہی جواب تھا کہ وہ کسی اویس کو نہیں جانتے۔ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ فاروق اعظم اور علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہما ایک ایسے

شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جو بظاہر دیوانہ ہے اور آبادیوں سے دور جنگلوں، ویرانوں میں رہتا ہے۔ جب شہر میں آتا ہے تو لڑکے اسے پتھر مارتے ہیں، جب انہوں نے علامات بتائیں تو لوگ کہنے لگے کہ ہاں قرن شہر سے کچھ دور ویرانے میں اس نام کا ایک شخص رہتا ہے لیکن وہ تو دیوانہ ہے جو ہنسنے پر آئے تو ہنستا ہی چلا جاتا ہے اور رونے لگے تو روتا رہتا ہے۔ حج کے بعد دونوں حضرات یمن گئے اور کھوج لگاتے لگاتے اس ویرانے میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ حالت نماز میں ہیں اور قریب ہی ان کی بکریاں چر رہی ہیں جن پر بھیڑیے پہرہ دے رہے ہیں۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرا وہ تحفہ مجھے دے دو جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے ہاتھ بھیجا تھا۔ یہ وہ جبّہ تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دیا تھا کہ تم جب میرے اویس سے ملنا تو میری طرف سے یہ تحفہ انہیں پیش کر دینا۔

یہ بھی عجیب ملاقات تھی، دونوں اصحاب ان سے مختلف باتیں پوچھتے مگر اویس ہیر پھیر کر کے موضوع کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لے جاتے اور پوچھتے کہ مجھے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات بتاؤ! وہ کیسے اٹھتے بیٹھتے تھے، باتیں کس طرح کرتے تھے اور کیسے دیکھتے تھے؟ وہ تو محبوب کا دیوانہ تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادائیں ہی پوچھتا رہا۔ اچانک حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے دونوں سے ایک ایسا سوال پوچھ لیا جسے سن کر وہ حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے میرے محبوب کا چہرہ دیکھا ہے؟

وہ کہنے لگے کہ ہم تو زندگی بھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزارا ہے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ تو دراصل میرے محبوب کا عکس تھا۔ وہ تو محض ان کے پیکر کا سایہ اور پَرتو تھا۔ اللہ نے محبوب کا اصل رخ تو کسی کو

دیکھنے ہی نہیں دیا اور اسے پس پردہ رکھا ہے۔

حرفِ آخر

آخر میں ہم اس گفتگو کا ماحصل اور لبِ لباب بیان کرتے ہیں کہ ماں کی خدمت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں اور یہ سارے درجات اور فضیلتیں اسی زینے سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس قارئین کرام! اگر نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات میں کوئی کمی بھی واقع ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر ماں کی خدمت میں تساہل اور غفلت برتنے سے انسان کے سارے اعمال اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ عبادتیں اپنی جگہ بجا لیکن ماں کی خدمت کا کوئی اور بدل نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ. (۱)

’’جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔‘‘

اِس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساری عبادتیں مل کر بھی ماں کی خدمت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ مرتے دم تک اس حق کی ادائیگی میں ہمہ وقت مستعد رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ توفیق اَرزانی فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

---

(۱) ۱۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۲، رقم: ۱۱۹
۲۔ ابن حبان، طبقات المحدثین بأصبهان، ۳: ۵۶۸
۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۱۶، رقم: ۲۶۱۱

مآخذ و مراجع

۱۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۲۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ شعب الایمان۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء ۔

۳۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۴۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۵۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ طبقات المحدثین باصبهان والوردین علیها۔ بیروت، لبنان: موسسہ الرسالۃ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۶۔ ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۷۔ دیلمی، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۸۔ ابن راہویہ، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔

۲۳۷ھ/ ۸۵۱۔۷۷۸ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۹۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔ ۲۳۵ھ/ ۸۴۹۔۷۷۶ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد،

۱۰۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔ ۲۳۵ھ/ ۸۴۹۔۷۷۶ء)۔ **المصنف**۔ کراچی، پاکستان: ادارہ القرآن والعلوم۔

۱۱۔ **ضیاء مقدسی**، محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن منصور ی حنبلی (م ۵۶۹۔۶۴۳ھ/ ۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **فضائل الأعمال**۔ قاہرہ، مصر: دار الغد العربی۔

۱۲۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۳۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ قاہرہ، مصر: دارالحرمین، ۱۴۱۵ھ۔

۱۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۱۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**، موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔

۱۶۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۷۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۸۔ **ابن قانع**، ابو الحسین عبد الباقی (۲۶۵۔۳۵۱ھ)۔ **معجم الصحابۃ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۴۱۸ھ۔

۱۹۔ **قضاعی**، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشہاب**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۲۰۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۱۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔

۲۲۔ **مسلم**، ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۳۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترہیب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۲۴۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۲۵۔ **ہناد بن سری**، کوفی (۱۵۲۔۲۴۳ھ)۔ **الزھد**۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الإسلامی، ۱۴۰۶ھ۔

۲۶۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔